سلسلہ بیانات نمبر 14

خصوصیاتِ سیدِ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالم ربانی
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث دار العلوم عیدگاہ کبیر والا

مکتبۃ الامداد
جامع مسجد امداد ملتان روڈ کبیر والا
برائے رابطہ 0301-7811592

بیاناتِ سیرت

خصوصیاتِ سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم

(......قرآنِ حکیم کی روشنی میں......)

بیان

محی السنۃ عالمِ ربانی حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب رحمہ اللہ

سابق شیخ الحدیث ورئیس الافتاء جامعہ دار العلوم کبیر والا

مرتب

محمد سعد استاذ جامعہ دار العلوم کبیر والا

مکتبۃ الامداد

جامع مسجد امداد و مدرسہ اشرف المعارف کبیر والا

آئینۂ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خصوصیاتِ سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم

﴿......قرآن حکیم کی روشنی میں......﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ
وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا
هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ
تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم لَعَمْرُ اِنَّھُمْ لَفِیْ
سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْن. (سورۃ الحجر، آیۃ،72)

اخلاقِ نبوی قرآنِ حکیم کا آئینہ ہیں

ایک آیتِ شریفہ تلاوت کی گئی ہے جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ جل شانہ کے ہاں بہت اونچا مرتبہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید میں سینکڑوں مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ جل شانہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، کمالات اور آپ کے اعلیٰ اوصاف بیان فرمائے ہیں، اسی لئے جب کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کریں، آپ کے اوصاف بیان کریں!

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ (صحیح مسلم، باب جامع صلوٰۃ اللیل، حدیث،1739)

کیا تم قرآن پاک نہیں پڑھتے؟ قرآن پاک کے صدہا مقامات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ذکرِ رسول کریم کا مقصد اتباع ہے

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ ہمیں آپ کے کمالات اور اعلیٰ اوصاف معلوم ہوں جن سے آپ کی معرفت حاصل ہوگی جب آپ کی معرفت حاصل ہوگی تو محبت پیدا ہوگی اور جب محبت پیدا ہوگی تو آپ کی

اتباع کی توفیق ملے گی اور آپ کی محبت، آپ کی اتباع تمام اعمالِ دین اور تمام بھلائیوں کی چابی ہے، اللہ جل شانہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت رکھنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

آپ کے اوصاف وکمالات تو بے شمار ہیں، کون شمار کر سکتا ہے؟ کس کی ہمت ہے کہ بیان کر سکے؟ لیکن اِس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند وہ اوصاف وکمالات عرض کئے جاتے ہیں جو قرآن پاک کی آیات سے معلوم ہوتے ہیں۔

پیار بھرے القابات سے خطاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے باقی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو تو نام لے کر بھی پکارا ہے، مثلاً کہیں فرمایا: یَآاٰدَمُ، کہیں فرمایا: یَامُوْسٰی، کہیں فرمایا: یَاعِیْسٰی، جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نام کے ذریعے ندادی ہے، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی پورے قرآن پاک میں، پوری وحی میں نام لے کر نہیں پکارا، یوں نہیں فرمایا: یَـامُـحَـمَّـد، بلکہ جب بھی آپ کو ندادی تو کسی نہ کسی لقب کے ساتھ دی۔ چنانچہ کبھی فرمایا: یٰۤاَیُّهَاالْمُزَّمِّل، کبھی فرمایا: یٰۤاَیُّهَاالْمُدَّثِّر،

''مزمل'' کے معنی ہیں چادر اوڑھنے والے اور ''مدثر'' کے معنی بھی یہی ہیں، یہ بھی پیار کا انداز ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ نے پہلے پہل جب قرآن پاک لوگوں کو سنایا تو لوگوں نے مخالفت کی اور یہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ قرآن پاک کیا چیز ہے؟

کسی نے کہا کہ جادو ہے، کسی نے کہا: کہانت ہے، کسی نے کہا: شاعری ہے، تو اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف ہوئی آپ اس تکلیف کے عالم میں چادر میں لپٹ کر سو گئے، غمزدہ ہوئے۔ (بیان القرآن، سورۃ المزمل)

تو اللہ جل شانہ نے وحی نازل فرمائی:

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّل. قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً (سورۃ المزمل، آیۃ، 1-2)

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ قیام کیا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّر. قُمْ فَاَنْذِرْ. (سورۃ المدثر، آیۃ، 1-2)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھئے! اپنی قوم کو ڈرایئے! لوگوں کو تبلیغ کیجئے!

کہیں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْل! اے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول، کہیں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ! تو جب بھی آپ کو ندا دی گئی کسی لقب کے ساتھ دی گئی نام کے ساتھ نہیں پکارا گیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے ہاں آپ کا ایسا خاص مرتبہ ہے جو اور انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کو حاصل نہیں ہے۔

آپ کی حیاتِ طیبہ کی قسم

اسی طرح آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک آیتِ شریفہ جو ابھی پڑھی گئی ہے اس میں اللہ جل شانہ نے آپ کی زندگی مبارک کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ. (سورۃ الحجر، آیۃ، 72)

اے پیغمبر! ہمیں آپ کی زندگی کی قسم ہے، آپ کی حیات کی قسم ہے۔ اور

ظاہر ہے کہ جو کوئی بہت ہی محبوب ہو، جس کی زندگی بہت ہی پیاری ہو اس کی زندگی کی قسم اٹھائی جاتی ہے ویسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں کافی جگہ قسمیں اٹھائی ہیں لیکن کسی جگہ کسی کی زندگی اور حیات کی قسم نہیں اٹھائی۔ مثلاً فرمایا:

وَالضُّحٰی. وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی، (سورۃ الضحیٰ، آیۃ، 1۔2)

قسم ہے چاشت کے وقت کی، اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا. وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا. (سورۃ الشمس، آیۃ، 1۔2)

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی، اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے، یہ سب قسمیں ہیں۔

قرآن کریم میں قسموں کی حکمت

اور قرآن پاک میں جو قسمیں ہیں وہ حقیقت میں کسی مضمون کی تاکید کے لئے ہیں قسم کے بعد جو مضمون بیان کیا جاتا ہے اس کو علماء جوابِ قسم کہتے ہیں، جوابِ قسم کو پختہ کرنے کے لئے اللہ جل شانہ نے بہت جگہ قسمیں کھائی ہیں لیکن سارے کلام میں کہیں کسی شخصیت کی زندگی کی قسم نہیں کھائی، صرف واحد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہیں جن کی حیات اور زندگی کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا: "لَعَمْرُکَ" اے پیارے محبوب! ہمیں آپ کی زندگی کی قسم ہے، آپ کی عمر کی قسم ہے، اصل میں تلفظ بھی یہی تھا، لَعُمْرُکَ (عین کے پیش کے ساتھ) لیکن عین کا پیش نہیں پڑھا گیا، عین کا فتحہ (زبر) پڑھا گیا کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف پیدا ہوگئی ہے، اب اسی طرح پڑھنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر اللہ جل شانہ کے

ہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کی وقعت اور رفعت ہوتی اور آپ سے بڑھ کر کسی کی عظمت ہوتی تو اللہ جل شانہ اُس کی زندگی کی قسم اٹھاتے۔

(تفسیر مظہری، سورۃ الحجر، آیۃ، 72)

معلوم ہوا کہ پوری کائنات میں اللہ جل شانہ کی مخلوق میں سب سے اونچا مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تبھی آپ کی حیاتِ طیبہ کی قسم کھائی گئی ہے ورنہ آپ کے علاوہ اللہ جل شانہ نے کسی ولی، نبی، فرشتہ یا کسی اور مخلوق کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی۔

نامِ نامی اسمِ گرامی کی قسم

اسی طرح قرآن پاک میں ایک تفسیر کے مطابق آپ کے نام کی بھی قسم کھائی گئی ہے۔قرآن پاک کی آیات ہیں:

یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ. اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

(سورۃ یٰس، آیۃ، 1-2۔)

"یٰسٓ" کے علماء نے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ "یٰسٓ" کے معنی ہیں "یَااِنْسَان" یعنی اے انسان! اور ایک معنیٰ کیا گیا ہے: "یَاسَیِّد" یعنی اے سردار! گویا کہ یہ لقب دیا گیا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ مگر حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم ہیں انہوں نے فرمایا کہ: "یٰسٓ" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ جیسے "طٰہٰ" بھی آپ کا نام ہے اور اس نام سے اللہ جل شانہ نے قسم کھائی۔

اور فرماتے ہیں کہ: ابھی زمین و آسمان پیدا نہیں ہوئے تھے اس کے

دو ہزار سال پہلے اللہ جل شانہ نے آپ کے نام کی قسم کھائی اور جو کتاب آپ پر نازل ہونے والی تھی اس کی بھی قسم کھائی۔ (تفسیر در منثور، سورۃ یسین، آیۃ، 1-2)

فرمایا: قسم ہے ''یٰسین'' کی اور قسم ہے قرآن حکیم کی، بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور علماء نے فرمایا ہے کہ: انبیاء تو بہت آئے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش، مگر ان میں سے تین سو سے کچھ زائد رسول ہیں لیکن اللہ جل شانہ نے کسی نبی کی نبوت کو بیان کرتے ہوئے یا کسی رسول کی رسالت کو بیان کرتے ہوئے کسی جگہ بھی قسم کھا کر یہ مضمون نہیں بیان فرمایا، مثلاً فرمایا ہو مجھے قسم ہے حضرت آدم علیہ السلام کی، حضرت نوح علیہ السلام کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہ وہ رسول ہیں، ایسے نہیں فرمایا بے شک وہ بھی نبی ہیں، بے شک وہ بھی سب کے لئے واجب الاحترام ہیں۔ لیکن یہ امتیاز آپ کو حاصل ہے۔

ثنائے رسول میں ایک احتیاطی پہلو

اور علماء نے ایک اہم بات سمجھائی ہے، فرماتے ہیں کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مدح نہ بیان کی جائے کہ جس سے دوسرے نبیوں کی معاذ اللہ تنقیص ہو، کسی نبی کی ادنیٰ سی بے ادبی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کی جائے تو یوں تصور کیا جائے کہ اگر سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام موجود ہوں تو کسی کو ناگواری نہ ہو۔

بے شک وہ بھی نبی ہیں لیکن کہیں اللہ جل شانہ نے ان کی نبوت و رسالت بیان کرتے ہوئے یوں نہیں فرمایا کہ: میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ نبی ہیں، صرف یہ

خصوصیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ نے آپ کے نام کی بھی قسم کھائی ہے اور پھر آپ کی رسالت کو بیان فرمایا تو قسم کھا کر بیان فرمایا کہ: مجھے قسم ہے کہ آپ واقعی رسول ہیں۔

شہرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم

اور قرآن پاک میں دو جگہ اللہ جل شانہ نے اُس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس شہر میں آپ تشریف رکھتے تھے جو آپ کا مسکن تھا، کیونکہ جس جگہ محبوب رہتا ہو اور جہاں محبوب کا قیام ہو اس جگہ کے ساتھ بھی محبت ہو جاتی ہے۔ جیسے شعر ہے ۔

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ

وَلٰكِنْ حُبَّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَار

فرمایا: مجھے دیواروں اور مکانوں سے محبت نہیں ہے بلکہ مکان میں جو رہتے ہیں ان سے محبت ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شہر میں رہتے تھے، اللہ جل شانہ نے اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَآاُقْسِمُ بِهٰذَ الْبَلَد. وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَ الْبَلَد

(سورۃ البلد، آیۃ، 1-2)

میں قسم اٹھاتا ہوں اس شہر کی جس شہر میں آپ رہتے ہیں۔ وہ کون سا شہر ہے؟ وہ ’’مکہ مکرمہ‘‘ ہے۔ (تفسیر رازی، سورۃ البلد، آیۃ، 1-2)

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ’’مدینہ منورہ‘‘ ہے، بہر حال جو بھی شہر ہو، مکہ مکرمہ بھی آپ کی قیام گاہ تھا اور مدینہ منورہ تو آج تک آپ کی قیام گاہ ہے، وفات کے بعد آپ کی

مزار مبارک بھی وہاں ہیں۔مکین کی عظمت سے مکان کی عظمت بڑھ جاتی ہے۔

اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَالتِّيۡنِ. وَالزَّيۡتُوۡنِ. وَطُوۡرِ سِيۡنِيۡنَ. وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ.

(سورۃ التین، آیۃ،1-2)

فرمایا: مجھے اس شہر کی قسم ہے جو امن والا شہر ہے۔ وہ کون سا شہر ہے؟ مکہ مکرمہ ہے، اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی پھر آپ کے نام کی قسم کھائی پھر جس شہر میں آپ رہتے تھے اس شہر کی بھی قسم کھائی، اس قدر اللہ جل شانہ کو آپ کے ساتھ محبت ہے۔

تمام انبیاء کرام سے میثاق لیا گیا

اسی طرح قرآن پاک میں دو جگہ اللہ جل شانہ نے ایک میثاق کا ذکر کیا ہے، ''میثاق'' کہتے ہیں: پختہ وعدے کو، اللہ جل شانہ نے دو موقعوں میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی وعدہ لیا، وہ وعدہ یہ لیا کہ اگر تمہاری زندگی میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو ''لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنۡصُرَنَّه'' ''تم ضرور بالضرور ان پر ایمان لے آؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور یہ بھی وعدہ لیا کہ تم اپنی قوم اور اپنی امت سے بھی یہ وعدہ لینا کہ تمہاری امت بھی ان کی نصرت کرتی رہے گی امداد کرتی رہے گی۔فرمایا:

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ
كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرَنَّهٗ ”(سورۃ ال عمران، آیۃ، 81)

فرمایا: وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ وعدہ لیا، فرمایا: اگر تمہارے ہوتے ہوئے میرے نبی آخر الزمان آجائیں تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی نصرت کرو گے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو نبی بھی آیا ہے اللہ جل شانہ نے ہر نبی سے یہ وعدہ لیا ہے، کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ نہ لیا ہو۔ (تفسیر مظہری، سورۃ ال عمران، آیۃ، 81)

اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

دوسری آیت جس میں اللہ جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کے میثاق کا ذکر فرمایا، وہ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ
وَّاِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ. (سورۃ الاحزاب، آیۃ، 7)

جبکہ ہم نے نبیوں سے میثاق لیا، پختہ وعدہ لیا اور آگے چند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق تعالیٰ نے نام لئے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں ان کا درجہ باقی انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہے۔

انبیاء کرام میں سب سے اول

اب غور کرنا چاہئے کہ اِن انبیاء علیہم السلام میں زمانے کے اعتبار سے

ترتیب یوں تھی کہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سب سے اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر اللہ جل شانہ نے ترتیب یوں بیان نہیں کی، زمانے کے اعتبار سے تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوتا مگر ایسا نہیں کیا گیا سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

فرمایا: وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ لیا، اور سب سے پہلے آپ کا ذکر کیا کہ آپ سے بھی وعدہ لیا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو قرآن پاک کا بڑا فہم رکھتے تھے اور آپ ہی کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ہر امت میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جو محدَّث من اللہ ہوئے ہیں "محدَّث من اللہ" اسے کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے اس کے دل میں باتیں ڈالی جاتی ہیں اور آپ نے فرمایا: میری امت میں محدَّث من اللہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث،3469)

یعنی ان کے دل میں سچی باتیں ڈالی جاتی ہیں، یہ الہام ہوتا ہے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں جہاں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے آپ کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مرتبہ سب نبیوں سے زیادہ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

افضل الانبیاء کا مقام

اور ایک آیت میں تو اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا ہے کہ: سب نبیوں میں سب سے زیادہ درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْهُم
مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَات (سورۃ البقرۃ، آیۃ 253)

فرمایا: یہ جو رسول ہیں بعض رسولوں کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے بعض کا درجہ زیادہ ہے بعض کا کم ہے، بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے بھی آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہے، وہ کون ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور آگے فرمایا: بعض پیغمبر ایسے بھی آئے ہیں کہ ان کے درجات ہم نے سب سے زیادہ بلند کئے ہیں، مفسرین حضرات نے اتفاق کیا ہے کہ: اس سے مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ آپ کا درجہ سب نبیوں سے بڑھ کر ہے۔

(تفسیر بغوی، سورۃ البقرۃ، آیۃ 253)

تمام کمالات آپ کی ذات میں

اور علماء فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں ہر ایک نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ ملا ہے، ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی خاص فضیلت ملی ہے وہ سب معجزات اور فضیلتیں جو پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی ہیں اللہ جل شانہ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع فرمادی ہیں۔ (تفسیر بغوی، سورۃ البقرۃ، آیۃ 253)

گزشتہ انبیاء کرام کے سب معجزات کی نظیریں آپ کو دے دی گئیں اور جو کمالات پچھلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دئے گئے وہ سارے کے سارے آپ کو

عطاء فرمائے گئے ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنے والا دم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفید ہاتھ کا معجزہ، وہ تمام کمالات جو سب حسینوں کے پاس الگ الگ تھے وہ تنہا آپ رکھتے ہیں، جو اوصاف اللہ جل شانہ نے ان سب کو فرداً فرداً عطاء فرمائے تھے وہ سارے اوصاف اللہ تعالیٰ نے آپ اکیلے میں جمع فرمادیئے۔

آپ کا وجودِ مسعود عذاب میں رکاوٹ ہے

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ: آپ کی برکت سے مشرکین، کفار اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے عذاب ٹالا جاتا رہا ہے ورنہ وہ اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے اس کے مستحق ہو چکے تھے کہ ان کو فوراً تباہ کر دیا جائے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے ہاں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے عذاب ٹال دیا گیا۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔ (سورۃ الانفال، آیۃ، 33)

فرمایا: اے پیغمبر! جب تک آپ ان میں موجود ہیں ہم ان کو عذاب نہیں دیں گے۔ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف رکھتے رہے اگرچہ مشرکین کی نافرمانیاں انتہاء کو پہنچ چکی تھیں، ان کی بدعملیاں زوروں پر تھیں، وہ عذاب کے

پورے کے پورے مستحق ہو چکے تھے مگر اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ: ہمیں مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ بھی ان کے درمیان موجود ہوں اور ہم ان کو عذاب دیں اور پھر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے اب تو چاہیئے تھا کہ ان پر عذاب آجاتا لیکن پھر بھی نہیں آیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں آیا کہ وہاں مکہ میں کچھ مسلمان رہتے تھے جو ضعفاء تھے، کمزور تھے، ہجرت نہیں کر سکتے تھے وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہے اور توبہ و استغفار کرتے رہے، فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْن (سورۃ الانفال، آیۃ، 33)

فرمایا: مکہ میں باقی رہنے والے مومنین استغفار کرتے رہتے تھے اس لئے ہم نے ان کو عذاب نہیں دیا اور جب وہ مومن بھی جدا ہو گئے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں گرفتار کیا کہ ستر بڑے بڑے کافر جنگِ بدر میں قتل ہوئے، ان کی طاقت ختم ہوگئی، نہایت ذلیل ورسوا ہوئے۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بہت ہی اونچا ہے کہ جب تک آپ اہلِ مکہ کے درمیان تشریف فرما رہے وہ قوم عذاب سے بچی رہی۔

دورِ حاضر میں عذاب سے کیسے بچیں؟

اور ایک بات علماء نے فرمائی ہے کہ: جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، پردہ فرما گئے، اب عذاب سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ جب تک آپ تشریف رکھتے تھے آپ کی ذاتِ گرامی اتنی برکات کی حامل تھی کہ عذاب نہیں آسکتا تھا، لیکن اب کیا ہوگا؟ اب تو پوری دنیا میں عذاب کے آثار مختلف صورتوں میں ظاہر

ہورہے ہیں۔ کہیں کوئی اختلاف ہے، کہیں کوئی جھگڑا ہے، ہر جگہ دنگا فساد ہے، مال و جان کا تحفظ مشکل ہوگیا ہے، مختلف طبقات لڑ رہے ہیں، ایک افراتفری کا عالم ہے، مسلمان پریشانی میں گرفتار ہیں، تو اب کیسے بچاؤ ہوسکتا ہے؟ تو حق تعالیٰ نے اس کا حل بھی بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آپ کے قائم مقام ہے، جب تک مسلمان آپ کی سنتوں پر عمل کرتے رہیں گے اور آپ کی شریعت پر عمل کرتے رہیں گے ان شاء اللہ کوئی طاقت ان کو ذلیل نہیں کرسکے گی، کوئی طاقت ان کو مغلوب نہیں کرسکے گی، مگر بھائی کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کتنے مسلمانوں نے آپ کی شریعتِ مطہرہ کو آپ کی پیاری سنتوں کو چھوڑ دیا ہے، ہمارے بازاروں سے آپ کی سنتیں نکل رہی ہیں، ہماری عدالتوں سے آپ کی شریعت نکل گئی ہے، اور معاف کیجئے! اب تو مسجدوں سے بھی نکل رہی ہے مساجد اور مدارس جو دین کے مراکز تھے اب وہاں بھی بعض جگہ یہی حال ہورہا ہے کہ سنت کے خلاف کام ہورہے ہیں اور پھر ہم روتے ہیں کہ ہم پر پریشانیاں کیوں آرہی ہیں؟ ؎

اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست

اے بادِ صبا! یہ سب کچھ تو نے اڑایا ہے، تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔

یاد رکھئے! یہ مصیبتیں ہماری لائی ہوئی ہیں آج بھی اگر ہم سنبھل جائیں اپنے گناہوں پر استغفار کرلیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کرنے لگیں تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت آجائے گی، اور جہاں الحمدللہ ان چیزوں کا اہتمام ہورہا ہے۔ چلو ہر جگہ نہ سہی۔ وہ علاقے وہ جگہیں اب بھی محفوظ ہیں۔ اگر ہمارے بس میں اتنا نہیں ہے کہ تمام مسلمانوں کو ہم سنت پر چلاسکیں لیکن یہ تو ہمارے بس میں ہے کہ ہم خود چلیں اگر ہم خود سنتوں پر چلنا شروع کردیں، گناہوں سے

اور بے دینی کے سیلاب سے بچ جائیں تو ان شاء اللہ بہت حد تک ہم بھی آفات و بلیّات سے بچ جائیں گے۔

اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپ کے قائم مقام ہے اگر آپ کی سنتیں زندہ رہیں گی تو مسلمان قوم عذاب سے بچی رہے گی۔

آپ کی ذاتِ اقدس پر سدا بہار رحمتیں

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص کمال اور ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ جل شانہ کی رحمتیں آپ پر ہمیشہ نازل ہوتی رہتی ہیں اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

(سورۃ الاحزاب، آیۃ، 56)

فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ''صلوٰۃ'' کا کیا مطلب ہے؟ علماء نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمتیں بھیجتے ہیں، اور فرشتوں کی صلوٰۃ کیا ہے؟ استغفار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ: رحمت، اور فرشتوں کی صلوٰۃ: استغفار اور دعا ہے، فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا اور استغفار کرتے رہتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الاحزاب، آیۃ، 56۔ جامع ترمذی، حدیث، 485)

یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم خصوصیت ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

(سورۃ الاحزاب، آیۃ، 56)

اے مسلمانو! تم بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا کرو! اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھ لے تو اللہ جل شانہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، دس گناہ معاف فرماتے ہیں، دس درجات بلند کرتے ہیں۔

(سنن نسائی)

ایک مرتبہ پڑھنے سے یہ انعام ملتا ہے۔ اور پھر درود شریف پڑھنے میں کتنا وقت خرچ ہوتا ہے؟ اگر ہم اس کا التزام کرلیں کہ دن میں سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیں تو کس قدر سعادت ہے۔

حق تعالیٰ کی دوستی کا اعزاز

اسی طرح اللہ جل شانہ نے قرآن پاک کے ایک مقام میں صاف بیان فرمادیا ہے کہ: میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست اور ان کا محبّ ہوں۔

دیکھئے! اس سے بڑھ کر کیا فضیلت اور اعزاز ہوسکتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ: میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست ہوں۔ سورۃ تحریم میں ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلَاہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ. (سورۃ التحریم، آیۃ 4)

فرمایا: میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ ہوں، مولیٰ کسے کہتے ہیں؟ ''دوست'' کو کہتے ہیں اور فرمایا: جبریل علیہ السلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں اور فرمایا جتنے نیک مسلمان ہیں سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور

مولیٰ ہیں اور فرشتے بھی آپ کے مددگار ہیں، یہ بھی آپ کی خصوصیت ہوئی۔

تمام انبیاء کرام معصوم ہیں

اور ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو یہ اطلاع فرما دی ہے کہ آپ سے اگر کوئی لغزش پہلے ہوگئی ہے تو معاف ہوگئی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھئے کہ کسی بھی نبی اور پیغمبر سے کوئی گناہ نہیں ہوسکتا تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں کسی نبی سے کبھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوا البتہ کبھی کبھی کسی حکمت کی وجہ سے لغزش ہوسکتی ہے، اس کو علماء ''زَلّہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''زَلّہ'' کے معنیٰ ہیں ''پھسلنا'' جیسے ایک آدمی راستے پر جارہا ہو کیچڑ سے گزرتے ہوئے گرنے لگے اس کا ارادہ نہیں ہوتا کہ میں گر جاؤں غیر اختیاری طور پر گرنے لگا اور پھر سنبھل گیا اس کو ''زَلّہ'' کہتے ہیں یعنی پھسل جانا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کوئی گناہ نہیں ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قتل کیوں ہوا؟

آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو مُکّہ مارا وہ مر گیا تو کوئی آدمی کہے کہ یہ قتل کرنا تو بڑا گناہ ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا، قتل بھی تو گناہ ہے۔ لیکن اس واقعہ میں آپ غور کریں تو واقع میں آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوا، ہوا یوں تھا کہ وہ آدمی جو مقتول ہوا وہ ایک بنی اسرائیل کے آدمی پر بے جا ظلم کر رہا تھا اس سے بیگار لینا چاہتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ گٹھڑ اٹھاؤ اور فرعون کے مطبخ (کیچن) میں پہنچاؤ اب وہ بے چارہ کمزور تھا اس نے کہا بھائی مجھے اور کام بہت ہیں میں غریب آدمی ہوں بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں مجھے کچھ نہ کہو، اس نے کہا: نہیں، تجھے لے جانا پڑے گا، اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ

السلام تشریف لے آئے انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی خواہ مخواہ دوسرے پر ظلم کر رہا ہے اور جو مظلوم تھا وہ بنی اسرائیلی اُن کی قوم کا آدمی تھا اگر اپنا عزیز مظلوم ہو تو جتنا ممکن ہو اس کی امداد کرنی چاہیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اُس پر ظلم کر رہا ہے آپ نے اُس کو فرمایا: اِس کو چھوڑ دو، تم خود اٹھاؤ۔ وہ بیوقوف کیا جواب دیتا ہے، موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ یہ نہ اٹھائے تو پھر آپ اٹھا کر پہنچائیں آپ نے فرمایا کہ: نہیں، میں بھی نہیں اٹھاؤں گا، مگر جب وہ ضد کرنے لگا اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تادیب کا ارادہ کیا اُن کا ارادہ قتل کا نہیں تھا ایک ظالم کا ہاتھ روکنا اس کی تادیب کرنا یہ کوئی گناہ نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مُکّہ مارا کہ اس کا دماغ ذرا درست ہو جائے کہ یہ جو ظلم پر کمر بستہ ہے اس کو کچھ سبق ملے۔

اب غور فرمائیے! ایک ظالم کا ہاتھ روکنا اس کی تادیب کرنا کہ وہ حد سے نہ بڑھے، کیا یہ گناہ ہے؟ یہ کوئی گناہ نہیں ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ کم بخت ایک مکے میں ہی ڈھیر ہو جائے گا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فیصلہ

تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ صادر نہیں ہوتا، لغزش کبھی ہو سکتی ہے، لغزش کی مثال عرض کی جاتی ہے: جیسے جنگِ بدر کے موقع پر تقریباً ستر کافر قتل ہوئے اور ستر کافر پکڑے گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ جو کافر پکڑے گئے ہیں ان سے کیا سلوک کرنا چاہیئے؟ ہر ایک نے اپنے مزاج کے مطابق مشورہ دیا، حضرت فاروقِ اعظم نے تو یہ مشورہ دیا کہ: یارسول اللہ! یہ جو

کافر گرفتار ہو کر آئے ہیں، اساطینِ کفر ہیں، کفر کے بڑے بڑے ستون ہیں، میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ان کو واپس نہ کیا جائے ان سب کو قتل کر دیا جائے اور فرمایا کہ قتل بھی وہ کریں کہ جن کا جو شخص زیادہ قریبی رشتہ دار ہے اور فرمایا ان میں سے ایک میرا ماموں بھی ہے اس کو میں قتل کروں گا۔

اور جب آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم ہے، قید ہو کر آئی ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیں، فدیہ میں ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں کی قوت بڑھ جائے گی اور دوسرا یہ کہ جب یہ چھوٹ کر جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے دیں یا اگر یہ خود مسلمان نہ ہوئے تو ان کی نسلیں مسلمان ہو جائیں گی اس لئے میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ ان کو چھوڑ ہی دیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ جمال تھے، آپ میں رحمت و شفقت کا غلبہ تھا آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا حکم بھی نہیں آیا تھا کہ آپ نے فدیہ لینا ہے یا نہیں لینا۔ مگر آپ نے اجتہاد فرمایا اور فدیہ لے کر ان ستر کافروں کو چھوڑ دیا اس کے بعد اللہ جل شانہ کی طرف سے وحی آئی، فرمایا:

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ أَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ أَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْأَرْضِ
تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ،

(سورۃ الانفال، آیۃ، 67)

فرمایا: نبی کی شان یہ ہونی چاہئے تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں پر غلبہ دیا تھا تو سب کو تہہ تیغ کر دیتے، سب کا خون بہا دیتے، اور اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی

اچھاتم میں سے بعضوں نے دنیا کا قصد کیا کہ فدیہ مل جائے گا حالانکہ اللہ جل شانہ آخرت چاہتے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے آپ نے فرمایا: مجھ سے لغزش ہوگئی ہے مجھے وہ صورت اختیار کرنی چاہئے تھی میں نے یہ اختیار کرلی۔آپ نے دیکھا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا، گناہ تو جب ہوتا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے کوئی متعین حکم آچکا ہوتا پھر آپ اس کے خلاف کرتے اس لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کوئی گناہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت آدم نے ممنوعہ درخت کیوں کھایا؟

دیکھئے! حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس درخت سے اللہ جل شانہ نے روکا تھا اس کو استعمال کرلیا لیکن وہاں بھی دیکھا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہوا، بات یہ ہے کہ شیطان لعین بڑا مکار تھا وہ بھی اس وقت جنت میں رہتا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ بد بخت بڑا دشمن تھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہنا شروع کیا:

يٰٓاٰدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّايَبْلٰى

(سورۃ طٰہٰ، آیۃ،120)

اے آدم! میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں کہ اگر تم وہ درخت استعمال کرلو تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے اور اللہ جل شانہ ہمیشہ ہمیشہ تم پر راضی رہیں گے۔اب حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے منع کیا تھا، اب یہ کہہ رہا ہے کہ میں کھالوں، تو شیطان یوں کہنے لگا کہ: پہلے آپ کے اندر اس کے کھانے کا تحمل نہیں تھا، جیسے ایک آدمی کا معدہ کمزور ہو وہ ثقیل چیز نہیں کھا سکتا جب معدہ قوی ہوتا

ہے تب ثقیل چیز بھی کھالیتا ہے اور پھر شیطان نے یہ ویسے نہیں کہا بلکہ قسمیں کھائیں، قرآن پاک میں ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ

(سورۃ الاعراف، آیۃ،21)

قسمیں اٹھائیں کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اب دیکھئے، اُس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو یہ کہاں تجربہ ہوا تھا کہ کائنات میں کوئی ایسا بدباطن بھی ہے کہ اللہ عزوجل کا نام لے کر جھوٹ بولے، پہلی مرتبہ یہ صورت پیش آرہی تھی، حضرت آدم علیہ السلام پھسل گئے اور سمجھے کہ شاید اللہ جل شانہ نے مجھے مخصوص وقت تک کے لئے روکا تھا اب اس کی ممانعت باقی نہیں رہی اور جب ایک شخص قسمیں بھی اٹھارہا ہے اور خیر خواہ بھی معلوم ہوتا ہے پھر میں اس درخت کو کیوں نہ استعمال کروں؟ آپ نے وہ درخت استعمال کرلیا، اس کے بعد اللہ جل شانہ کی طرف سے عتاب ہوا اور زمیں پراتار دیئے گئے پھر یہ سارے واقعات پیش آئے، تو ایسا نہیں تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھا ہو کہ یہ گناہ ہے، پھر جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کیا ہو۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (سورۃ طٰہٰ، آیۃ،115)

آدم علیہ السلام بھول گئے، قصداً ایسا نہیں کیا، بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ انبیاء علیہ السلام سے معصیت نہیں ہوسکتی، لغزش ہوسکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخشے بخشائے ہیں

اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اعزاز یہ بھی عطاء فرمایا

کہ آپ کو یہ پروانہ دے دیا، آپ کی تسلی کے لئے بتلا دیا، کیا فرمایا؟

لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَاتَأَخَّرَ (سورۃ الفتح، آیۃ، 2)

اے نبی جو کوئی غلطی یا لغزش آپ سے پہلے ہو چکی ہے یا آئندہ بھی آپ سے لغزش ہونے والی ہے، ہم نے آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشوں کو معاف کر دیا ہے۔ صاف فرما دیا، آپ کے دل کو مطمئن فرما دیا۔

رسول اللہ کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے

اسی طرح اللہ جل شانہ نے سورۃ الفتح میں آپ کا ایک امتیاز یہ بھی بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی ہے یوں سمجھو! انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الَّـذِیْـنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ أَیْدِیْھِمْ (سورۃ الفتح، آیۃ، 10)

فرمایا: بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر ہی بیعت کی ہے بظاہر اُن کے ہاتھ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک تھا، لیکن اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ: ان کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں ہے اللہ جل شانہ کا ہاتھ ہے۔ کس قدر بلند مرتبہ ہے آپ کا اللہ جل شانہ کے ہاں۔ گویا دنیا میں آپ خلیفۃ اللہ ہیں، اللہ کے قائم مقام ہیں، جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اللہ جل شانہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَلَـمْ تَـقْتُـلُوْھُـمْ وَلٰـکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَارَمَیْتَ

اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی. (سورۃ الانفال، آیۃ، 17)

یہ جنگِ بدر کا واقعہ ہے بڑا سخت مقابلہ ہوا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: آپ نے ایک مشت کنکریوں کی لی اور کافروں کی طرف پھینکی اور یہ الفاظ فرمائے:

شَاهَتِ الْوُجُوْه (مسند احمد، حدیث، 10535)

فرمایا یہ چہرے بگڑ جائیں، تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ: کوئی کافر ایسا نہیں تھا کہ جس کی آنکھوں میں کنکریاں نہ گئی ہوں ہر کافر کی آنکھ میں مٹی چلی گئی، دھول چلی گئی اور وہ پریشان حال ہوئے۔

اور صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ جب ہم کافروں کو قتل کرنے لگتے تھے ابھی ہماری تلوار اُن کی گردن تک نہیں پہنچی ہوتی تھی کہ وہ پہلے قتل ہو جاتے تھے اور بہت سے صحابہ کرام نے یہ الفاظ سنے:

أَقْدِمْ حَيْزُوْم، أَقْدِمْ حَيْزُوْم، (صحیح مسلم، حدیث، 4588)

اے حیزوم! آگے بڑھو۔ اے حیزوم! آگے بڑھو۔ ''حیزوم'' جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے، اللہ جل شانہ نے ملائکہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی امداد فرمائی، جب مسلمان اللہ جل شانہ کا اطاعت گزار تھے اللہ جل شانہ ملائکہ کے ذریعے ان کی امداد کرتے تھے اور جب کوئی قوم اللہ کی نافرمان ہو جائے اللہ جل شانہ ملائکہ کے ذریعے سے پٹوا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ ان کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ ہم نے قتل کیا ہے اور فرمایا جب آپ نے مشت مٹی کی ان کی طرف پھینکی آپ نے نہیں پھینکی ہم نے پھینکی ہے، ایک انسان یا رسول کے بس میں اتنی بات نہیں ہے کہ ایک مشت مٹی پھینکے اور وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں چلی جائے یہ انسان کی

قدرت سے باہر ہے، یہ اللہ جل شانہ کی قدرت سے ہوا ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (سورۃ الانفال، آیۃ، 17)

فرمایا جب آپ نے مارا آپ نے نہیں مارا ہم نے مارا ہے۔

اس سے کس قدر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ جل شانہ سے محبت اور تعلق معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ کیلئے حفاظتِ خداوندی کا انتظام

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک جگہ آپ کو یہ بھی اطلاع کی ہے کہ ہم نے آپ کے تحفظ کا انتظام کر دیا ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس (سورۃ المائدہ، آیۃ، 67)

اے نبی اللہ جل شانہ آپ کی حفاظت کا ذمہ لے چکے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو آرام فرماتے تھے تو صحابہ کرام دروازے پر پہرہ دیتے تھے کہیں کوئی دشمن آپ کو تکلیف نہ پہنچائے، شہید نہ کر دے۔

ذرا اندازہ تو فرمایئے کہ آپ کے دشمن کتنے تھے؟ جب آپ مدینہ منورہ میں تھے دشمنوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا: یہود قوم علیحدہ دشمن تھی، جو کافر مشرک تھے وہ علیحدہ دشمن تھے اور بہت سے دشمن ایسے بھی تھے جو زبان سے کلمہ پڑھتے تھے اور دل سے معاذ اللہ آپ کی جان کے دشمن تھے یہ منافقین تھے، طرح طرح کے دشمن تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا: اب تم چلے جاؤ اب مجھے کسی کے پہرے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اللہ جل

شانہ نے میرے تحفظ کا وعدہ کیا ہے اب کوئی دشمن میرا بال بیکا نہیں کر سکتا مجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچا سکتا آپ نے پہرے داروں کو واپس کر دیا۔

اور پھر اللہ جل شانہ نے وہ حفاظت فرمائی کہ آج تک دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، اتنے کثیر دشمن اور مخالف لیکن آپ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہجرت کے موقع پر جب آپ غارِ ثور میں تین دن ٹھہرے، تو کفار ایک مجمع بنا کر غار کے دروازے پر آئے اور دروازے کے بالکل سامنے کھڑے ہو گئے، حدیث میں آتا ہے کہ: اگر اپنے پاؤں کی طرف جھک کر نظر کرتے تو آپ کو دیکھ لیتے مگر اللہ جل شانہ نے کیا انتظام کیا کہ اس غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے اور پھر انڈوں کے اوپر بیٹھ کر انڈوں کو سینا شروع کر دیا مشرکین مکہ نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہاں تو محمد (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) تو آ ہی نہیں سکتے، کہنے لگے کہ یہ جالا جو بنا ہوا ہے یہ ان کی پیدائش سے پہلے کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے سے وہ کام لیا کہ بڑے بڑے آہنی قلعے وہ کام نہیں دے سکتے تھے، بڑے بڑے جنگی شاہسوار وہ کام نہیں کر سکتے تھے جو اللہ جل شانہ نے مکڑی کے جالے سے لے لیا اس لئے فرمایا:

''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاس''

سفرِ ہجرت میں غیبی مدد

حدیث پاک میں آتا ہے کہ: جب آپ ہجرت کے لئے تشریف لے گئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف، تو مشرکین مکہ نے یہ اعلان کیا کہ جو آدمی آپ کو

پکڑ کر لائے گا ہم اس کو سو اونٹنیاں انعام دیں گے۔

ایک شخص جن کا نام سراقہ بن مالک تھا بعد میں وہ مسلمان ہو گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ: میرے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ میں یہ انعام حاصل کرلوں تو اچھا ہے، میں اس خیال میں تھا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ وہ کب جانے والے ہیں تو میں ان کا پیچھا کروں گا، پکڑ لوں گا، تو کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کچھ آدمی آئے انہوں نے بتلایا کہ: ہم نے ایک مختصر سا قافلہ دیکھا ہے مدینہ کی طرف جا رہا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے تو میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ میں جا کر ان کو پکڑوں، تو میں نے بات ٹالنے کی غرض سے ان کو کہا: تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے، میں نے کہا: یہ وہ لوگ نہیں ہے یہ تو اُس قبیلے کے آدمی ہیں جن کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرنے جا رہے ہیں میں نے یہ ویسے ہی جھوٹ بول دیا، میرا مقصد یہ تھا کہ کوئی اور نہ پہنچ جائے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھوڑے پر زین کسی، گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر آپ کے پیچھے بھاگا جب میں آپ کے قریب پہنچا آپ کی نظر میرے اوپر پڑی اور آپ نے یہ سمجھا کہ یہ ہمیں پکڑنے کے لئے آیا ہے تو فرماتے ہیں کہ: میرے گھوڑے کی دو اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور میں نیچے گر گیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ میرے گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا یہ انہی کی بددعا کا اثر ہے تو میں نے آپ کو دیکھا، پکارا، اور کہا، میری بات سنئے! اب میں آپ کو نہیں پکڑوں گا اور میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہاں سے جب واپس جاؤں گا تو کوئی آدمی آپ کو پکڑنے کے لئے آنا چاہے گا تو میں اسے بھی کہوں گا کہ آپ ادھر نہیں ہیں اسے میں واپس کردوں گا، آپ کی دعا سے میرا گھوڑا زمین سے نکل آیا پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں ایک بات چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ایک خط لکھ دیں کہ جس پر

یہ لکھا ہو کہ: آپ مجھے امان دے چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اُس کی زبان سے ایسی بات نکلوائی جس کا اسے بعد میں فائدہ ہوا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس کو خط لکھ دیجئے کہ ''ہم نے اس کو امان دے دی ہے'' کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے لکھ دیا میں نے وہ خط لے لیا اور تلوار کی نیام میں رکھ لیا، میں واپس آ گیا۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو جعرانہ کے مقام پر میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا جب لوگوں نے مجھے دیکھا کہ یہ تو کافر ہے، یہ کہاں آ رہا ہے؟ بس کہنے لگے:

اِلَیْکَ عَنَّا، اِلَیْکَ عَنَّا،

اے سراقہ! دور ہو جا، دور ہو جا۔ تو کہاں آ رہا ہے؟ تیرا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا کہ ٹھہرو تو صحیح، مجھے ذرا بات کرنے دو، میں نے وہ پرچہ نکالا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کو پڑھوایا اور فرمایا: اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْوَفَاء

آج وفا کا دن ہے، دھوکے کا دن نہیں ہے۔ اے سراقہ! میں تمہیں امان دے چکا ہوں اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا نہ تمہیں قتل کروں گا نہ تمہارا مال لوں گا جیسے میں نے وعدہ کیا تھا وہ پورا کروں گا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے سراقہ کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، عرض کیا: یا رسول اللہ! جب آپ نے وعدہ وفائی کی ہے تو میں بھی مسلمان ہوتا ہوں مسلمان ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے سراقہ! تیرا اس وقت کیا حال ہو گا جب تجھے قیصر و کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ہم قیصر و کسریٰ کی حکومتیں کیسے فتح کر لیں گے، ہم کہاں؟

روم وفارس کہاں؟ وہ اس وقت کی سپر پاور حکومتیں تھیں۔ آج کل کا امریکہ سمجھ لیجئے، جیسے ایک چھوٹی سی ریاست جو ایک ضلع کے برابر ہو بھلا امریکہ کو فتح کر سکتی ہے؟ سراقہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں شبہ تھا کہ کسریٰ ایران کا بادشاہ ہے، کہاں ہم اس کو فتح کر سکیں گے؟ میں نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! آپ کی مراد فارس کا کسریٰ ہے؟ فرمایا: ہاں، میری وہی مراد ہے، تو سراقہ نے وہاں بھی لکھوالیا کہ اگر کسریٰ کے زیوارات اور کنگن آئیں تو وہ مجھے دے دیے جائیں اللہ جل شانہ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری پوری کی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور تھا اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر فتح عطاء فرمائی اور خزانوں کے ڈھیر کے ڈھیر ہاتھ لگے اور کسریٰ کے زیوارت جو وہ خود پہنتا تھا یا اس کی بیگمات پہنتی تھیں مسجد نبوی میں ان کا ڈھیر لگ گیا: سونا، چاندی، ہیرے جواہرات اور زیورات پڑے ہوئے تھے جب فاروق اعظم نے ڈھیر دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یا اللہ! ہم اس دولت سے مستغنی نہیں ہیں، ہمارے دل میں اس کی طرف آپ نے میلان رکھا ہے، اب مہربانی فرما کر اس دولت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنادیجئے، پھر آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور فرمایا: آؤ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری پوری کروں (کیونکہ سراقہ جو پہلے دیہات کے رہنے والے تھے مسلمان بھی نہیں تھے) فرمایا: میں آج اس دیہاتی کو جو کسی زمانہ میں اس کو پیشاب کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا ''بَوَّالًا عَلٰی عِقِبَیۡهِ'' میں آج کسریٰ کے زیور اس کو دیتا ہوں تا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری پوری ہو پھر زیورات ان کو دے دیے گئے۔

(صحیح بخاری، حدیث، 3906)

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو یہ بھی اطلاع دی ہے

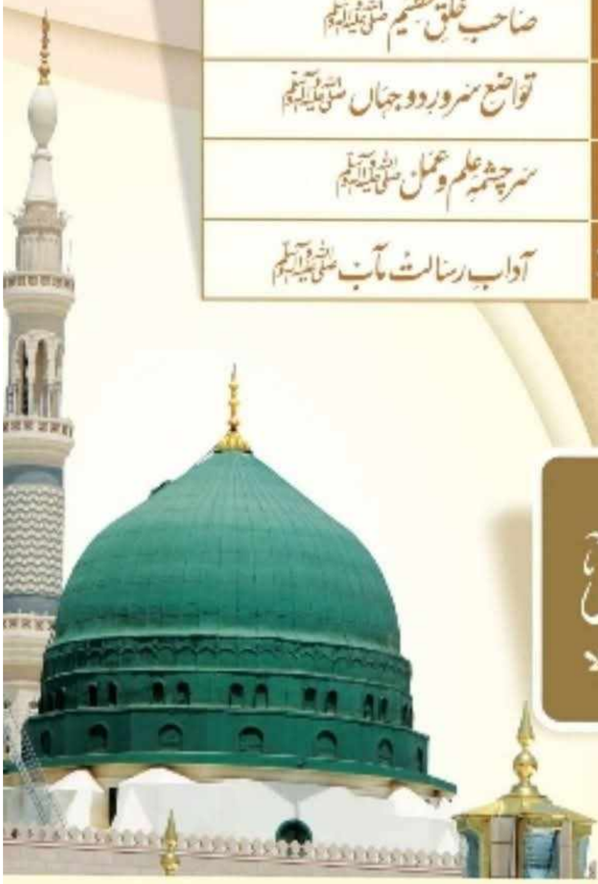
''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاس'' کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پوری پوری حفاظت فرمائیں گے، یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اور آپ کی شان ہے، آپ کے کمالات سے اور آپ کی شان سے سارا قرآن پاک بھرا ہوا ہے۔

ایسے عظیم پیغمبر جن کا اللہ جل شانہ کے ہاں اتنا اونچا مرتبہ ہے، بھائی! ان کی قدر یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں ان کی سچی محبت پیدا کریں، ان کی سنتوں کو زندہ کریں، ان کے حکموں پر چلیں، ان کی شریعت پر چلیں، اگر ہم سب مسلمان آپ کی شریعت پر چلنے لگیں تو انشاء اللہ دنیا و آخرت میں کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

دعا کیجئے! کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت عطاء فرمائیں، آپ کی سنتوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

بیاناتِ سیرت ﷺ



محی السنہ
حضرت مولانا مفتی عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ
سابق شیخ الحدیث و رئیس الافتاء دار العلوم کبیروالا

مکتبۃ الامداد جامع مسجد امداد ملتان روڈ کبیروالا
0301-7811592